قصص القرآن

قرآنی قصص کے مقاصد

حافظ محمد اسلم

قصص کے ساتھ انسان کا گہرا اور قدیم تعلق ہے۔ بچہ جب شعور کی دنیا میں آکر محسوسیات ومرئیات میں دلچسپی لیتا ہے تو قصے کہانیاں سننے کا فطری جذبہ اس میں پیدا ہونے لگتا ہے۔ ابتداً جانوروں اور پرندوں کی کہانیاں اس کے ذوق کی تسکین بنتی ہیں، والدین، رشتے داروں اور دوستوں کی محفل میں رائج قصے اس کے ذہنی افق کو وسیع کرتے ہیں۔ پھر مطالعہ کتب کی شکل میں اسے قصص وتاریخ کا غیر متناہی سرچشمہ میسر آجاتا ہے جو اس کی علمی پیاس بجھاتا ہے اور اخلاقی تربیت بھی کرتا ہے۔ یہ واقعات شخصیت سازی اور کردار کی تعمیر میں مخصوص کردار ادا کرتے ہیں۔ نیکوکار لوگوں کے قصے اسے نیکی کی طرف مائل کرتے ہیں، اور بدکردار لوگوں کے واقعات برائی کی ترغیب دیتے ہیں یا متنفر کرتے ہیں۔ گویا نیکی کی طرف مائل کرنے، بدی سے ہٹانے اور خیر وشر میں تمیز پیدا کرنے کا یہ ایک فطری طریقہ ہے جو کسی قسم کی سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کے بغیر محض اندرونی تحریک سے پروان چڑھتا چلا جاتا ہے۔ خیر واصلاح کی تلقین کرنے کے اس انداز میں جانوروں کی کہانیاں بھی ملتی ہیں، عام اور جلیل القدر انسانوں کے واقعات بھی۔ مگر مذہبی کتب بالخصوص قرآن مجید میں درج واقعات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

قصہ کا مفہوم

قصہ کے معنی ہیں: بات، خبر، واقعہ، اس کی جمع اقاصیص اور قصص بکسر القاف وفتح الصاد آتی ہے۔ دور جاہلیت میں اس مقصد کے لئے اساطیر کا لفظ بولا جاتا تھا جس کا واحد اسطورہ ہے اور اس کے معنی ہیں: افسانہ' گھڑی ہوئی بات (فیروز اللغات' بذیل مادہ س ط ر)۔ مخالفین نے قرآنی قصوں کے لئے بھی یہی لفظ اختیار کیا۔ چونکہ یہ لفظ قرآنی قصص کے لئے بالکل غیر موزوں تھا اس لئے

قرآن نے اس مفہوم کے لئے انباء کا لفظ اپنایا۔ مثلاً تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ج (ھود ۱۱:۴۹) یہ غیب کی خبریں ہیں، جن کی وحی ہم آپ کی طرف کرتے ہیں۔ انباء ' انباء کی جمع ہے اور اس کا اطلاق ایسی خبر پر کیا جاتا ہے جس میں فائدہ عظیمہ ہو ۔ چونکہ قرآنی اخبار عظیم فوائد پر لئے قرآن نے اس لفظ کا انتخاب کیا۔ فن کتابت سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اہل عرب کی روایات حافظے پر تھیں ۔ یہ روایات نثر کے بجائے نظم میں تھیں ۔ اسلاف معلوم کرنے کا ذریعہ شعر تھا جیسا کہ مقولہ ہے: اَلشِّعْرُ دِيْوَانُ الْعَرَب ۔ عرب شاعری کے متعلق حسن زیات کا خیال ہے کہ ان کا کلام قصص اور ڈرامائی شاعری سے خالی ہے ۔ مگر اس سے قصصی شاعری کی کلیتاً تردید نہیں ہوتی کیونکہ اسی کتاب مین جب ہم عرب کے مشہور شاعر امیہ بن الصلت کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا طبعی رجحان دینی مضامین کی طرف تھا اور اس سلسلے میں اس نے کافی شہرت حاصل کی تھی ۔ یہی دینی رنگ اس کی شاعری میں جھلکتا ہے ۔ وہ اللہ اور اس کے جلال کا وصف بیان کرتا ہے' حشر اور اس کے بھیانک واقعات کا ذکر کرتا ہے' جنت' جہنم اور فرشتوں کے حالات بیان کرتا ہے اور تورات کے واقعات مثلاً سدوم کا خرابہ اور حضرت اسحاق و ابراہیم علیہما السلام کے قصے نظم کرتا ہے (ایضاً' ۱۴۷) ۔ اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: پہلی یہ کہ عربی شاعری میں قصص کا عنصر موجود تھا ۔ دوسری یہ کہ قصص کہ ساتھ رشد و ہدایت کا آموزی کے لئے اختیار کیا جاتا تھا۔ اس کی تائید ابن ہشام کے اس بیان سے ہوتی ہے: حضور علیہ السلام کی بعثت سے قبل عرب میں تاریخ کا وجود نہ تھا۔ تاہم دور جاہلی کے کچھ واقعات صدری روایات کی شکل میں موجود تھے ۔ نیز سد مارب کا واقعہ اور اس کے نتیجے میں لوگوں کے بکھر جانے کے قصے تحریری صورت کے بجائے زبانی شکل میں چلے آرہے تھے۔ پھر اسی بحث کی تشریح جرجی زیدان سے حاصل ہوتی ہے: ابتداً عربوں نے قصص کا اہتمام نہیں کیا۔ یہ بعدازاں فارسی ادب سے کلیلہ دمنہ' کتاب رستم و اسفند یار' ہندی ادب سے سند باد الکبیر و الصغیر حاصل کیں ۔ یہ ان کا منقولہ ادب تھا۔ اپنے ادب میں عنترہ (مشہور جاہلی شاعر) اور الف لیلة

نے خصوصی مقام حاصل کیا حضورﷺ نے جب اپنی تبلیغ کے سلسلے میں گزشتہ امتوں کے واقعات بطورِ عبرت وموعظت سنائے تو اہل مکہ نے قرآن مجید کی عمومی تعلیمات کی مانند ان قصص کی بھی تکذیب و تضحیک کی اور کہا: مَا ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ پھر ان قصص کی عظمت واہمیت ختم کرنے کے لئے انھوں نے ایک حربہ یہ اختیار کیا کہ نضر بن حارث نامی ایک شیطان صفت قریشی کو آگے کیا جو حیرہ سے آیا تھا۔ وہاں اس نے ایرانی بادشاہوں کے واقعات اور رستم واسفند یار کے قصے معلوم کیے تھے۔ جس وقت حضورﷺ کسی مجلس میں وعظ ونصیحت کرتے' گزشتہ امتوں پر عذاب الٰہی کے واقعات سناتے' تو یہ ان کے پیچھے پہنچتا اور کہتا: ''میں ان سے بہتر واقعات سنا سکتا ہوں' میری طرف آؤ''۔ اس تمام بحث سے معلوم ہوا کہ نزول قرآن کے وقت اہل عرب قصص سے آشنا تھے اور ان کی نظم ونثر میں اس کا وجود تھا' گو قلیل پیمانے پر تھا۔ بہر حال یہ قصص دنیا کی ہر قوم' ملک مذہب اور الہامی کتب میں موجود ہیں اور مخصوص مقاصد کے حامل ہیں۔ مثلاً: کہانیاں اور قصے لکھنا ادب کے گراں قدر فنون میں سے ایک فن ہے۔ اس کے ذریعے فکر کو تفریحی باتوں میں مشغول کر کے' نفس کی کدورت دور کی جاتی ہے اور اسے آرام پہنچایا جاتا ہے۔ نیز پُر حکمت باتوں سے عقل کی اصلاح وتربیت کی جاتی ہے اس اعتبار سے قصے کے دو مقاصد ٹھہرتے ہیں۔ ایک ذہنی' تفریح' یعنی تھکاوٹ اور کدورت کا خاتمہ کرنا' دوسرے پُر حکمت باتوں سے عقل کو جلا بخشنا۔ قرآنی اعتبار سے قصص کے مقاصد کی تشریح یہ ہے: قصص سے مراد بطور ارشاد ونصیحت' تفسیر' تاریخ وقائع کا بیان ہے۔ اس میں علم اول کا کچھ حصہ بھی شامل ہے۔ جس سے وہ معلومات مراد لی جاتی ہیں جو پہلی امتوں کی سرگزشت اور انبیا کے واقعات نیز پہلے زمانے کے ڈراوؤں اور پیش گوئیوں پر مشتمل ہیں جسے اسلام قبول کرنے والے اہل کتاب بیان کریں۔ مثلاً عبداللہ بن سلام' کعب الاحبار' وہب بن منبہ وغیرہ.....وہب بن منبہ کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ انھوں نے اسلام میں سب سے پہلے انبیا کے قصے لکھے (جہاں تک قرآن مجید کے قصص کی بحث ہے تو اس میں متعدد اقسام کے واقعات ہیں۔ پہلے' حضرت آدم علیہ السلام' ملائکہ اور ابلیس کا قصہ ہے۔ پھر ان چھ قوموں کے قصص ہیں جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ یعنی قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود'

قوم لوط، قوم شعیب، قوم وموسیٰ فرعون دوسرے حضرت ابراہیم، حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یونس، حضرت ایوب، حضرت زکریا اور حضرت عیسیٰ یعنی انبیا علیہم السلام کے قصص ہیں۔ تیسرے غیر انبیا میں طالوت مریم، ذوالقرنین، اصحاب کہف، اصحاب سبت، سیل عرم کے واقعات ہیں۔ چوتھے وہ قصے ہیں جو اشارتی انداز میں ہیں یعنی اصحاب قصص کے مذکور نہیں۔ مثلاً خضر، عزیر، سموئیل، ہابیل و قابیل وغیرہ۔

قرآنی قصص اور تاریخ نگاری میں فرق

۱۔ ایک مؤرخ جب واقعات کو ترتیب دینے لگتا ہے تو اس کے تمام اجزاء اور حصص کو پیش کرتا ہے کیونکہ اس کے کمال فن کا تقاضا ہے کہ کوئی قابل قدر جز و چھوٹنے نہ پائے۔ مگر قرآنی قصص اس سے مختلف چیز ہیں۔ قرآن رشد و ہدایات کی کتاب ہے، تاریخ کی نہیں۔ اس لئے وہ اپنے بیان میں قصص کے صرف ایسے اجزا کا انتخاب کرتا ہے جو ہدایت کے حامل ہوں۔ یعنی عقائد کی تبلیغ مساعی، قوم کی تکذیب پر عذاب الٰہی کا نزول وغیرہ۔ جو اجزا غیر ضروری ہوں، قرآن ان سے احتراز کرتا ہے۔ جس کا نمونہ حضرت یوسف کی زبانی پیش کیا۔ آپ نے کہا: وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ قید سے نکالنے کے بعد میرے ساتھ عمدہ سلوک کیا۔ یعنی حضرت یوسف نے قصہ کی پوری تفصیل بیان کرنے کے بجائے صرف انجام کا ذکر کر کے بات ختم کر دی۔ اگر چہ وہ تفصیل ایک مؤرخ کی نگاہ میں نہایت وقیع تھی۔ ۲۔ قرآن اپنے اسلوب بیان میں شجرۂ نسب بیان نہیں کرتا۔ کیونکہ نسب ناموں کا ذکر اس کے عظیم مقصد سے ہم آہنگ نہیں بلکہ اس کے مقاصد کے خلاف ہے۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ وجہ یہ تھی کہ آپ کی تخلیق خلاف معمول یعنی بن باپ ہوئی تھی اس لئے آپ کی ماں کی نسبت کا ذکر کیا تا کہ اللہ کی قدرت کا اظہار ہو۔ قرآن مجید نے انبیا علیہم السلام کا ذکر ان کے حقیقی ناموں سے کیا جب کے مخالفین کا ذکر ذاتی ناموں کے بجائے وصفی ناموں سے کیا مثلاً فرعون، وصفی نام تھا جبکہ اصل نام رعمسیس تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح، جب کہ وصفی نام آزر تھا۔

صفاتی نام ذکر کرنے کا مقصد یہ تھا' وہ شریر تھے اس لئے بعد میں فرعون سرکش کے معنی میں مستعمل ہونے لگا۔ آذر کا مطلب ہے بت فروش اور یہی چیز اس کی گمراہی کا باعث رہی۔

۴۔ قرآن نے عورتوں کو ذاتی ناموں کے بجائے خاوندوں کی نسبت سے پکارا۔ مثلاً فرعون کی بیوی لوط کی بیوی' البتہ حضرت مریم کا نام مستثنیٰ ہے۔ وجہ یہ کہ وہ کنواری تھیں' خاوند کی نسبت سے ذکر کرنا ممکن نہ تھا۔ اگرچہ ان کی قوم نے ''اے ہارون کی بہن'' کہہ کر پکارا اور قرآن نے اس جملے کو نقل کیا لیکن اگر قرآن اس نام سے پکارتا تو مفہوم واضح نہ ہوتا۔ کیونکہ ہارون نام کے متعدد افراد گزر چکے تھے جس کی وجہ سے تعیین نہیں ہو سکتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے معاملے میں قرآن کس قدر حساس ہے۔

۵۔ قرآن اپنے بیان میں اعداد و شمار سے گریز کرتا ہے یعنی قبیلے کی تعداد یا قوم کی گنتی نہیں بتاتا۔ البتہ قوم ثمود کے ۹ افراد کا واقعہ مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح قرآن مجید زمانی مدت بھی بیان نہیں کرتا۔ تاہم تین مقامات پر یہ گنتی موجود ہے۔ یعنی نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال بتائی تاکہ ان کی طویل تبلیغی مساعی اور صبر و استقلال سے آگاہی ہو۔ اصحاب کہف کی ۳۰۹ سالہ طویل نیند کے بعد بیداری اور حضرت عزیز کی ۱۰۰ سالہ وفات کے بعد زندہ ہونے کا ذکر کیا تاکہ حیات بعد الممات جیسے اہم عقیدے پر استدلال ہو۔

۶۔ قصص کے اہم اجزا کے علاوہ قرآن مجید' پیغمبروں کے قیمتی خطبات اور پُر اثر دعائیں بھی نقل کرتا ہے، جو قرآنی تعلیمات کا مغز ہیں۔ مثلاً سورہ ابراہیم آیت ۱۴ میں حضرت ابراہیم السلام کی دعائیں سورہ یوسف آیت ۴۰ میں آپ کا وعظ اور پھر آیت ۱۰۱ میں آپ کی دعا۔ اس کے برعکس اگر ہم بائبل کا مطالعہ کریں' تو وسیع پیمانے پر سلسلہ ہائے نسب دیکھتے ہیں جب کے اعداد و شمار کی اس قدر بہتات ہے کہ اس کتاب کے جز نمبر ۴ کا نام ہی گنتی رکھ دیا گیا کیونکہ اس میں اعداد و شمار ہی پیش کیے گئے ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ کتابیں قصوں کی غیر ضروری تفصیلات سے بھری پڑی ہیں۔ مگر جو چیزیں اخلاقی قدر و قیمت رکھتی ہیں اور جن سے انبیا علیہم السلام کی اصل تعلیمات' حقیقی مشن اور سیرتوں کے

سبق آموز پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے ان کتابوں کا دامن ان سے خالی ہے۔اب ہم اصل موضوع کی طرف رخ کرتے ہیں یعنی

قصص کے مقاصد

قرآن بنیادی طور پر رشد و ہدایت کی کتاب ہے جیسا کہ مختلف مقامات پر خود قرآن نے اپنا تعارف کرایا ہے۔ دنیا میں ہدایت کے بہت سے سرچشمے ہیں۔مگر یہ بات مسلمہ ہے کہ اس کا تعلق جس قدر اعلیٰ ذات سے ہوگا' ہدایت بھی اسی قدر اعلیٰ وارفع ہوگی۔قرآن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا اور نہایت محفوظ ہاتھوں سے ہوتا ہوا ہم تک پہنچا۔ پھر اس کا تعلق اگر سلیم الطبع لوگوں سے ہو تو وعظ و نصیحت کا انداز ہے اور اگر اس کا سامنا ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں سے ہو تو عبرت آموزی کا طریقہ ہے۔ چونکہ قرآن اول و آخر ہدایت ہے اس لئے قصص کا بنیادی مقصد و محور بھی یہی ہے۔ بلکہ اس ہدایت کی بعض ایسی جزئیات ہیں جو صرف قصص سے ہی سامنے آتی ہیں۔ا۔ عقائد میں اولین توحید ہے۔قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیا نے اپنی دعوت و تبلیغ کا آغاز اسی پیغام سے کیا۔ پھر اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کیا (شعراء) ۔اس طرح اسلام کے پہلے دو عقائد کا اثبات ہو گیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں نزول تورات کا صریح بیان ہے جس سے عقیدے کا ذکر ہو گیا۔سورہ ہود' آیت ۷۰ میں حضرت ابرہیم اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد کا ذکر ہے۔ نیز سورہ مریم آیت ۱۹ میں حضرت مریم کے پاس بھی انسانی شکل میں فرشتے کی آمد ہوتی ہے۔اس سے پتا چلتا ہے کہ ملائکہ باقاعدہ جسمانی وجود رکھتے ہیں' اپنی شکلیں تبدیل کر سکتیں ہیں (۔وہ محض پیغام رسانی کی کسی کیفیت و حالت کا نام نہیں۔ نیز عذاب اور دیگر مختلف فرائض سرانجام دیتے ہیں۔سورہ مومن آیت ۴۶ سے فرعون کے عذاب قبر اور سورہ نوح سے بھی عالم برزخ میں آگ کے عذاب کا ذکر ہے۔سورہ یونس آیت ۹۱ سے پتا چلتا ہے کہ آخر وقت میں ایمان لانا غیر معتبر ہے

۲۔ اسلام کی ایک اہم تعلیم نسلی تفوق کا خاتمہ ہے۔یہود دعوے دار تھے کہ ہم اللہ کے

بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ قرآن نے سبت کی بے حرمتی کرنے پر بندروں کی شکل میں مسخ ہونے کا قصہ بیان کر کے ان کی نسلی برتری کا زعم پاش پاش کر دیا کہ کوئی قوم اللہ کی لاڈلی نہیں۔ اللہ کے ہاں نجات کا مدار صرف اعمال ہیں۔ اسی طرح پسر نوح کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا انصاف کس قدر بے لاگ ہے۔ مشرکین مکہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کیسے ہی اعمال کریں مگر ہم پر خدا کا عذاب نازل نہیں ہوگا کیونکہ ہم ابراہیم کی اولاد ہیں اور فلاں دیوتاؤں کے متوسل ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے بھی کچھ ایسے گماں تھے اور بہت سے مسلمان بھی اسی قسم کے تکیے کیے ہوتے ہیں کہ ان کی سفارش ہم کو خدا کے انصاف سے بچا لے گی۔ لیکن یہاں یہ منظر ہے کہ جلیل القدر پیغمبر کی معافی کی درخواست ہے لیکن دربار خداوندی سے سرزنش کی جاتی ہے۔ باپ کی پیغمبری' بدعمل بیٹے کو نہیں بچا سکتی۔ تخت بلقیس لانے کے واقعے سے علم کی برتری واضح ہوتی ہے کہ صاحب علم نے پلک جھپکنے میں تخت لا کر حاضر کر دیا جبکہ طاقت ور جن کو اس کام کے لئے زیادہ وقت درکار تھا۔ قصص کے ذریعے فقہی رہنمائی بھی ہوتی ہے' کیونکہ قرآن اپنے قصص واخبار کو آیات بھی قرار دیتا ہے۔ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے بقول یہ واقعہ ایسے امور پر، مشتمل ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانیاں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بڑی بڑی ہدایتیں اور احکام ومسائل ہیں آیات کا مطلب احکام ومسائل لینا اس لئے بھی صحیح ہے کہ خود قرآن نے بھی اس لفظ کا احکام کے معنی میں استعمال کیا ہے' مثلاً: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ ..... كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ اس جگہ آیات سے مراد احکام ومسائل ہی ہیں جن کا تعلق قسم کے ساتھ ہے۔ اسی طرح ابوبکر، جصاص' بسم اللہ کی تشریح میں لکھتے ہیں: وهو اذا كان خبراً فانه يتضمن معنى الامر ..... لان الله اخبر نا به لنفعل مثله۔ یہ اگرچہ خبر ہے مگر حکم کے مفہوم کو شامل ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے اس کی خبر اسی لئے ہم کو دی ہے تاکہ ہم بھی اس کی مثل کام کریں۔ معلوم ہوا کہ قرآنی اخبار کو مسائل کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔ بہر حال قصص آیات سے احکام کا استنباط کرنا اصول فقہ کا موضوع ہے۔ پھر سابقہ شرائع کی حجیت ایک متنازعہ بحث ہے۔ تاہم ترجیح اسی

موقف کو حاصل ہے کی سابقہ شرائع کے وہ احکام جو قرآن مجید میں مذکور ہیں' یا قرآنی واقعات سے اخذ ہوتے ہیں' وہ حجت ہیں' بشرطیکہ منسوخ نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہی طرز کی تفاسیر نے بکثرت ایسے مسائل استنباط کیے ہیں۔ مثلاً احکام القرآن للجصاص اور الجامع الاحکام القرآن للقرطبی وغیرہ ۔ جب کہ غیر فقہی تفاسیر نے بھی متعدد قصوں سے فقہی مسائل اخذ کیے ہیں مثلاً تفسیر کبیر ایک کلامی طرز کی تفسیر ہے۔ اس کے مؤلف امام رازی قصہ طالوت سے استنباط کرتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے عقیدے کی تردید کرتی ہے ۔ جو کہتے ہیں کہ امامت موروثی چیز ہے اسی طرح روح المعانی بھی غیر فقہی تفسیر ہے مگر طالوت و جالوت کے اسی قصے میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ پچھلی امتوں میں قتال کا حکم تھا' تمھارے لئے کوئی نیا حکم نہیں۔ قصص سے فقہی رہنمائی حاصل کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ'' آیات احکام کی تعداد ۵۰۰ ہے اور آیات قصص کی تعداد ۱۰۰۰ ہے۔ پھر جس طرح احکامی آیات میں عبارۃ النص سے مسائل حاصل کرنے کے علاوہ اشارۃ النص اور دلالۃ النص سے بھی بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں اسی طرح آیات قصص سے بھی متفرق قسم کے مسائل اشارۃ النص اور دلالۃ النص کی طرز پر حاصل ہو سکتے ہیں اور اس سے قرآنی فقہ کا دامن وسیع ہو سکتا ہے۔ منکرین کی عبرت آموزی کے لئے قرآن مجید نے مختلف قوموں کی تباہی کا قصہ مختلف سورتوں میں دہرایا اور پھر کہا: کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ اس انداز کو اختیار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ بہت سے لوگ تاریخی ذہن اور قصصی مزاج کے حامل ہوتے ہیں ۔ وہ تعلیمات کے بجائے واقعات سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی تفہیم کے لئے قرآن نے سابقہ انبیائے کرام اور گزشتہ امتوں کے واقعات سنائے تا کہ منکرین کے خوفناک انجام سے آگاہ کر کے ان کے فکر و شعور کو جھنجھوڑا جائے کہ ذرا غور کرو جن قوموں نے اپنے انبیا کی تعلیمات کو جھٹلایا وہ کس طرح تباہ و برباد ہوئیں ۔ قصص سے عبرت و موعظت کا یہ قرآنی انداز' استقرائی نوعیت کا تھا اور حسی بھی ۔ کیونکہ اہل مکہ کے تجارتی قافلے یمن اور شام کی طرف جاتے ہوئے عذاب زدہ قوموں کے کھنڈرات سے گزرتے تھے ۔ یہ ان کی مرئی عبرت کا سامان تھا جیسا کہ

ارشاد ہے: وَ اِنَّکُم لَتَمُرُّو نَ عَلَیھِم مُّصبِحِینَ ۰ وَ بِاللَّیلِ طبے شک تم ان پر صبح وشام گزرتے ہو۔ قصص کو بطور نصیحت پیش کرنا کوئی نئی چیز نہیں۔ اخلاقی کہانیاں' جانوروں اور پرندوں کے قصے آج بھی ہماری کتابوں کی زینت اور تعلیمی نصاب کا حصہ ہیں۔ مگر قرآن کا امتیاز یہ ہے کہ وہ فرضی اور خیالی کہانیوں کے بجائے حقیقی واقعات پیش کرتا ہے۔ دوسرے یہ کے انسانوں کی رہنمائی کے لئے اعلیٰ انسانوں یعنی انبیا وصلحا کے واقعات گوش گزار کرتا ہے۔ بعض جگہ پرندوں کے قصوں سے بھی رہنمائی کی گئی ہے۔ آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اس نے لاش دفن کرنے کا طریقہ ایک کوے سے سیکھا۔۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں ''ھد ھد'' کی پیغام رسانی کا تذکرہ اور وادی نمل میں چیونٹی کی تقریر کا تذکرہ نہایت عبرت آمیز ہیں قرآنی عبرت آموزی کا ایک رخ یہ ہے کہ اس کے قصص اپنی جزئیات وخصوصیات کے اعتبار سے مثالی مقام رکھتے ہیں مثلاً غرور وتکبر میں ابلیس کا گھناؤنا کردار ہے کہ خدا کے سامنے اکڑ گیا۔ تبلیغ کے طویل دورانیہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی عظیم ذات ہے جنھوں نے ۹۵۰ سال عمر پائی۔ قد کاٹھ اور جسمانی قوت میں قوم عاد کی مثال ہے جن کی مثل پھر پیدا ہی نہیں کیے گئے ۔ ظلم وستم فرعون کا بہیمانہ کردار ہے کہ بنو اسرائیل کی مکمل نسل کشی کا منصوبہ شروع کیا ہوا تھا نشہ توحید سے سرشاری میں حضرت ابراہیمؑ روشنی کا مینار ہیں جنھوں نے بت کدہ میں داخل ہو کر تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ وسعت سلطنت میں ذوالقرنین کا قصہ ہے جس کی سلطنت تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی۔ شدت عذاب میں قوم لوط کا واقعہ ہے جن کا مسکن (یعنی بحیرہ مردار) آج بھی زندہ عبرت بنا ہوا ہے۔ کثرت دولت میں قارون ضرب المثل ہے۔ یہ ہیں وہ قرآنی قصے' جو عبرت آموزی کا ایک جامع سلسلہ ہیں۔ اسی عبرت کا ایک منظر یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو مخالفین' یعنی اہل مکہ خود ان قصوں کی نظیر بن گئے۔ جنگ بدر میں کفار مکہ کے تمام سردار مارے گئے ۔اس طرح فرعون اور اس کے لشکر کی تباہی کا قصہ ان پر منطبق ہو گیا۔ فتح مکہ کے موقع پر برادران یوسف کی تاریخ دہرائی گئی جب حضور علیہ السلام فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے اور اپنے نسلی بھائیوں کو یہ کہہ کر معاف کر دیا: جاؤ تم آزاد ہو۔ آج تم پر کوئی الزام نہیں ۔

دلیل نبوت

قدیم زمانے سے یہ معمول چلا آرہا ہے کہ جب بھی کوئی شخص اپنی کسی خصوصی حیثیت یا منصب کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے ثبوت کے لئے کسی نشان' سند' حکم نامہ' تمغہ وغیرہ کو پیش کرتا ہے ورنہ اس کا قول غیر معتبر سمجھا جاتا ہے۔ انبیا کرام کی عمومی تاریخ سے بھی یہی صورت حال سامنے آتی ہے کہ جب بھی انھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا' ان کی قوم نے کسی نشان کا مطالبہ کیا مثلاً حضرت ھود علیہ السلام کی قوم نے کہا ''اے ھود' تم کوئی دلیل نہیں لائے۔ تمہارے کہنے پر ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے''۔ اسی طرح فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی تو جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نشانات دکھلائے۔ حضورؐ نے جب اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تو اس وقت ہر طرف آپ کی صداقت وامانت کا شہرہ تھا' اور یہی آپ کی نبوت کی واضح دلیل تھی کہ جو شخص اپنی عمومی زندگی میں جھوٹ نہیں بولتا' وہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں جھوٹ کا ارتکاب کس طرح کرسکتا ہے۔ تاہم خدا تعالیٰ نے صحیح واقعات کے بیان کو آپ کی نبوت کی دلیل ٹھرایا۔ یہ آپؐ کے لئے معجزات بھی تھے' آپ کی شان اور وقار بھی۔ حضورﷺ کے مخالفین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کے لئے آپ سے من مانے مطالبات کرتے۔ بالخصوص ان کا مطالبہ حسی معجزات کے متعلق ہوتا۔ مثلاً زمین سے چشمہ نکالو' کھجور اور انگوروں کے باغات ہوں جن میں نہریں چلتی ہوں' فرشتوں کی فوج آئے' غیبی خزائن' آسمان پر چڑھنا وغیرہ (مگر قرآن نے اس قسم کے مطالبات کو درخور اعتنانہ سمجھا۔ البتہ جب انھوں نے مختلف تاریخی شخصیتوں کے بارے میں سوالات کیے تو قرآن نے ان کی تفصیلات بیان کیں۔ سورہ یوسف کا شان نزول بھی اسی قبیل سے ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس کے مقاصد نزول میں لکھتے ہیں ''ایک یہ کہ محمدﷺ کی نبوت کا ثبوت اور بھی مخالفین کا اپنا منہ مانگا ثبوت بہم پہنچایا جائے' اور ان کے تجویز کردہ امتحان میں یہ ثابت کیا جائے کہ آپ سنی سنائی باتیں بیان نہیں کرتے بلکہ فی الواقع آپ کو وحی کے ذریعے علم حاصل ہوتا ہے''۔ اس مفہوم کی مزید تائید طالوت اور جالوت کے قصے سے ہوتی ہے کہ اختتام واقعہ پر

ارشاد باری ہے: تِلكَ ايٰتُ اللهِ نَتلُو هَا عَلَيكَ بِالحَقِ ط وَاِنَّكَ لَمِنَ المُرسَلِينَ یہ اللہ کی آیات ہیں جنھیں سچائی کے ساتھ ہم بیان کرتے ہیں۔ بے شک آپؐ رسولوں میں سے ہیں۔ یعنی سابقہ نبیوں اور امتوں کے واقعات کو صحت کے دعوے کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ اس میں چیلنج کا انداز ہے۔ پھر یہ چیلنج اگر ایک ناخواندہ اور امی شخص کی طرف سے دیا جارہا ہے تو یقین کرنا چاہیے کہ اس کے علم کا ذریعہ صرف وحی ہے اور وحی کی آمد نبوت کی دلیل ہے۔ اسلام سے قبل عربوں میں کاہنوں اور عراف کا خصوصی مقام تھا کیونکہ یہ غیب کی خبریں دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا رابطہ شیاطین کے ساتھ ہوتا جو آسمان سے غیب کی خبریں چرا کر کاہنوں کو پہنچاتے۔ پھر یہ کاہن ان خبروں میں جھوٹ ملا کر آگے بیان کرتے حضورؐ کے خطبات میں بھی غیب کی اخبار ہوتیں۔ اس معمولی سی مشابہت کی وجہ سے اہل مکہ نے حضورؐ کو کاہن قرار دیا۔ مگر قرآن مجید نے اس کی پرزور تردید کی۔ تردید کی وجہ یہ تھی کہ نبوت کا مقام کہانت سے بہت بلند ہوتا ہے۔ نبوت میں نہ جھوٹ ہوتا ہے اور نہ شیاطین سے رابطہ۔ کیونکہ پیغمبر کا رابطہ خدا کے ساتھ ہوتا ہے' اس کی ہر بات سچائی پر مبنی ہوتی ہے اور یہ صداقت ہی نبوت کی دلیل ہے۔

صبر و استقلال کی تلقین

نبوت و رسالت اس کائنات کا سب سے جلیل القدر منصب ہے۔ عہد جس قدر بڑا ہوتا ہے' ذمہ داریاں اور مشکلات بھی اتنی ہی شدید ہوتی ہیں۔ قوم کی اصلاح و تعمیر ایسا کٹھن مشن ہے کہ جس کی خاطر' نبی اپنی تمام عمر صرف کر دیتا ہے اور تمام صلاحیتیں وقف کرتا ہے۔ مگر نتائج مایوس کن بھی نکلتے ہیں۔ قوم کی طرف سے انکار و تکذیب' پھر ضد اور ہٹ دھرمی کا رویہ' اس پیکر استقلال کے لئے بھی حوصلہ شکن ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: حَتّٰى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ حتی کہ رسول مایوس ہو گئے۔ یہ کسی ایک پیغمبر کا قصہ نہیں بلکہ انبیا کی مجموعی تاریخ اسی حقیقت کی نشان دہی کرتی ہے۔ مکہ کی گلی کوچوں میں جب حضورؐ کے لئے یہی حوصلہ شکن مناظر پیش آئے تو آپؐ کی ہمت افزائی کے لئے اولوالعزم انبیا کی سیرتیں' قصص کی شکل میں دہرائی گئیں۔ ان کی امتوں کے واقعات بمقتضائے حال پیش کیے گئے جو آپؐ کی پریشانی کا مداوا اور آپؐ کے صبر و استقلال کے لئے سہارا تھے۔

فَاصبِر كَمَا صَبَرَ أُولُوا العَزمِ مِنَ الرُّسُلِ آپ صبر کریں جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔ حضور ﷺ کے لئے پریشانی کی کئی نوعتیں تھیں۔ آپ کی تبلیغ کے جواب میں اہل مکہ کا انکار ضد اور پھر ظلم وستم کا غیر متناہی سلسلہ تھا۔ اس موقع پر نوح علیہ السلام کا قصہ سنایا گیا جن کا عرصہ تبلیغ کئی صدیوں پر مشتمل تھا جب کہ آپ کی تبلیغ کا دورانیہ تو چند سالوں پر محیط تھا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ دہرایا گیا جس میں موسیٰ علیہ السلام غلام قوم کے فرد تھے جو فرعون اور اس کی قوم سے بری طرح دبی ہوئی تھی۔ بخلاف اس کے حضور علیہ السلام قریش کے فرد تھے جو دوسروں خاندانوں کے ساتھ برابری کی پوزیشن رکھتا تھا.... فرعون کی سلطنت بھی سب سے بڑی تھی۔ ایذا رسانی میں فرعون کا کردار اہل مکہ کی نسبت کہیں بدتر تھا۔ کیونکہ وہ کئی سالوں سے بنی اسرائیل کے لڑکوں کا قتل کر رہا تھا۔ اس اعتبار سے مکی مسلمانوں کی پوزیشن بہتر تھی کیونکہ اہل مکہ اپنے ظلم وستم میں اس حد تک نہیں پہنچتے تھے۔ صبر واستقلال کا ایک مرحلہ وہ ہوتا ہے جب تیز ستم اپنوں کی طرف سے چلیں کیونکہ ان کے زخم زیادہ گہرے ہوتے تھیں۔ حضور علیہ السلام کا چچا ابو لہب اس کردار کا نمائندہ تھا۔ برادران یوسفؑ کا قصہ ان زخموں کی مرہم تھا۔ انھوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو راہ کا پتھر سمجھ کر ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ مصائب کا نزول قدرت کی طرف سے ہوتا ہے جن کے ذریعے خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمایش کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام پر یہ حوادث بچپن سے گزر رہے تھے۔ پہلے باپ ماں اور دادا بچپن میں ہی چل بسے۔ غم گسار اور ہمدرد چچا اور پھر مونس وغم غوار بیوی بھی داغ مفارقت دے گئی۔ نرینہ اولاد بھی فوت ہوگئی۔ کفار مکہ نے بغلیں بجائیں اور حضور کو ابتر کے نام سے پکارا۔ ان حوادث کے لئے حضرت ایوب علیہ السلام کا نمونہ ہے جن کا سارا مال واسباب تباہ ہوگیا' اہل عیال رخصت ہو گئے۔ بیماری نے جسم چھلنی کر دیا مگر ایوب علیہ السلام ان جسمانی اور مالی مصائب پر تسلیم ورضا کا مجسمہ بنے رہے۔ اللہ کی طرف سے مدحت کا سرٹیفکٹ ملا اِنَّا وَجَدنٰهُ صَابِرًا ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا۔ صبر واستقلال کی ایک نوعیت وہ ہوتی ہے جب نبی اور اس کی قوم کی کش مکش نقطہ عروج کو پہنچتی ہے۔ دونوں فریق میدان جنگ میں صف آرا ہوتے ہیں۔

اس مرحلے کے لئے طالوت و جالوت کا قصہ رہنمائی کرتا ہے کہ طالوت کی چھوٹی سی فوج نے صبر و استقلال کے بل بوتے پر جالوت کی فوج کو شکست دے دی کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ بہر حال یہ مصائب قدرتی ہوں یا انسانی' اپنی ذات پر ہوں یا پیروکاروں پر' جسمانی ہوں یا مالی' تمام احوال و کیفیات کے لئے قرآن میں قصص موجود ہیں۔ جن میں ہر قسم کے آلام و مصائب کے لئے تسکین اور پریشانیوں کا مداوا موجود ہے۔

صفات الٰہی کی تشریح

ظاہر بین اور مادہ پرست انسان' اس جہاں میں رونما ہونے والے ہر واقعے کو ظاہری اسباب و علل کے تحت دیکھتا ہے اور اس کی مختلف توجیہات پیش کرتا ہے۔ اگر وہ واقعہ کسی طرح بھی اس کی فکری دسترس میں نہ آئے' تو پھر بھی خدائی قدرت تسلیم کرنے اور اس پر ایمان لانے کے بجائے اس حادثہ کو محض بخت و اتفاق کا کرشمہ قرار دے کر بزعم خود سرخرو ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف خدا کو ماننے والے انسان کی یہ فطری خامی تھی کہ وہ محسوسات کا خوگر تھا۔ اس لئے کائنات کی کسی بھی عظیم' مادی چیز کو خدا کا مظہر ٹھیرا دیتا اور پھر اپنی عبودیت کا رشتہ اس سے استوار کر لیتا۔ اسلام نے جو الوہیت کا تصور دیا' وہ ذات کے اعتبار سے تو انتہائی تنزیہہ پر مبنی ہونے کی وجہ سے انسان کی فکری رسائی سے باہر تھا مگر صفاتی حیثیت سے اس کی فہم سے بہت قریب تھا۔ اس لئے ذات باری سے ناطہ جوڑنے کے لئے حکم دیا کہ کائنات کو اس کی تجلیات کا مظہر سمجھو۔ اَینَمَا تُوَلُّو فَثَمَّ وَجہ اللہ ۔ اور اس کی صفات کی معرفت حاصل کرو۔ قرآنی قصص بھی مذہب کی اسی عمومی تعلیم کی تشریح کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاللہُ یَقبِضُ وَ یَبسُطُ وَاِلَیہِ تُر جَعُونَ اللہ سکیڑتا ہے اور پھیلاتا ہے اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اس آیت میں خدا کی دو صفات بتلائی گئیں۔ ایک قبض اور دوسری بسط۔ پھر ان کی تشریح کے لئے قرآن نے طالوت و جالوت کا قصہ سنایا۔ جس میں طالوت کی مختصر سی فوج نے جالوت جیسے جابر و قاہر حکمران کو شکست دے دی۔ اس واقعے میں خدا کی دونوں صفات کی تشریح ہو گئی کہ طالوت

کے لئے سلطنت کا بسط ہوا اور جالوت کے لئے قبض ہوا۔ اس طرح قرآنی قصص خدا کی صفات کی تشریح اور اس کی قدرت کا مظہر ہیں (تفسیر عثمانی' ذیل آیت بالا)۔ عقیدت و تعصب کے زیر اثر' یا لاشعوری طور پر' غلط فہمی کی بنا پر جلیل القدر ہستیوں کی طرف ایسے واقعات منسوب کر دیے جاتے ہیں جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کبھی ایسی مبالغہ آرائی کر دی جاتی ہے کہ اصل حقیقت مسخ ہو جاتی ہے۔ مثلاً حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ٹھیرا دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا لیا۔ اس مبالغہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ بنی اسرائیل جن لوگوں کو خدا کا پیغمبر مانتے تھے ان میں سے کسی کی سیرت کو بھی داغ دار کیے بغیر نہیں چھوڑا' اور داغ بھی ایسے سخت لگائے جو اخلاق و شریعت کی نگاہ میں بدترین جرائم شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً شرک' جادوگری' زنا' جھوٹ' دغابازی۔ بنی اسرائیل کی اخلاقی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جب اخلاقی و مذہبی انحطاط کا شکار ہوئی تو وہ تمام جرائم جو خود کرتے تھے انبیا کی طرف منسوب کر دیے (تفہیم القرآن' سورہ اعراف' زیر آیت ۱۵۰)۔ قرآن نے واقعات بیان کرتے وقت اس قسم کی تمام خرافات سے اجتناب کیا اور نہایت تعمیری انداز میں ان کی اصل شخصیت کو نمایاں کیا' جس سے حقیقت مکمل طور پر عیاں ہوئی۔

عظمت

انسان اس کائنات میں تمام مخلوق سے برتر اور مکرم و محترم بن کر آیا تھا جیسا کے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ ہم نے بنو آدم کو عزت بخشی۔ علما کا ایک گروہ اس آیت کی وجہ سے فرشتوں پر انسانی فضیلت کا قائل ہیا نسانی عظمت کے متعلق دوسری آیت ہے: خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً یعنی سب کچھ تیرے لئے ہے اور تو خدا کے لئے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اس حقیقی مقام و منصب کو فراموش کر بیٹھا۔ اس کی گراوٹ کی یہ انتہا تھی' کہ شجر و حجر کو معبود بنا کر اس کے آستانے پر جبیں فرسائی شروع کر دی۔ قرآن نے اپنے قصص کے ذریعے اس سرگرداں مسافر کو اصل سمت سے روشناس کرایا اور پھر اس نظریے کی مکمل تشریح قصہ آدم ملائکہ

اور ابلیس سے کی۔ یہ قصہ آدم کی تکریم و تفصیل سے لبریز ہے کیونکہ اس میں پہلے تو آدمؑ کو خلافت سے سرفراز کیا' پھر علم کی دولت سے نوازا پھر اسے مسجود ملائکہ بنا کر اس کی عظمت کو سہ چند کیا۔ اس عظمت کے مزید حسی مظاہرے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات کے حوالے سے دیکھیے جن کے لئے ہوا مسخر کر دی گئی' جنوں کو مطیع کیا گیا ۔ جانوروں کی بولی اور ان پر حکومت عطا کی گئی۔ پھر انسانی عظمت کا کھلا مظاہرہ اس وقت ہوا جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کا تخت حاضر کرنے کی فرمائش کی تو طاقت ور جن نے یہ تخت چند گھنٹوں میں لانے کی پیش کش کی مگر صاحب علم شخص نے اپنے علم کی بدولت اسے ایک سیکنڈ میں لا کر حاضر کر دیا۔ یہ واقعہ انسان اور اس کی علمی فضیلت کا شاہکار ہے،

اکتاہٹ کا ازالہ

سورہ یوسف کے شان نزول کے متعلق عمومی روایات یہی ہیں کہ اہل مکہ نے اپنے طور پر یہود کے اشارے پر حضور علیہ السلام سے اس کی تفصیل دریافت کی جس سے ان کا مقصد یہ تھا کی آپؐ کی آزمائش کریں ۔ مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے شان نزول کا مقصد اکتاہٹ کا ازالہ تھا۔ یعنی جب صحابہ کرامؓ کفار کی مسلسل تعذیب سے پریشان تھے تو اس موقع پر ابن جریر کے بیان کے مطابق انھوں نے حضور علیہ السلام سے اپنی اکتاہٹ کا ذکر کیا اور قصص قسم کی کوئی بات سنانے کی درخواست کی' تو ان کی تفریح طبع کے لئے یہ سورہ نازل ہوئی۔ علامہ آلوسی نے بھی اسی قسم کی ایک روایت سیوطی کے حوالے سے نقل کی مگر اس پر اعتراض بھی کیا کہ یہ بات قرآنی عظمت کے شایان شان نہیں کہ اس میں مذکورہ کسی سورت یا آیت کا شان نزول' تفریح طبع ہو۔ حضرت یوسف کے قصے میں دیگر قصوں کے برعکس اتار چڑھاؤ بہت زیادہ ہے کہ موت کے دروازے پر دستک دینے والا بچہ آگے چل کر حکمران بن جاتا ہے۔ نیز اس قصے میں عمومی زندگی کی وہ تمام جزئیات موجود ہیں جو قصے کو پرکشش بناتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی حقیقی قصہ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ریڈیو ٹی وی کی موجودہ زندگی سے قبل یہ قصہ وسیع پیمانے پڑھا اور سنا گیا' مختلف لوگوں نے اسے منظوم کیا اور مقامی ثقافت کا حصہ بنا رہا۔

مشمولات قصص

عمومی تعلیمات کی طرح قرآنی قصص بھی مختلف قسم کی تعلیمات اور اصول پیش کرتے ہیں۔یعنی قرآن مجید نے انبیا علیہم السلام کی تبلیغی مساعی اور مخالفین کی تباہی و بربادی کے واقعات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مادی زندگی کے دیگر اصول وضوابط بھی پیش کیے۔اگر قرآن مجید اپنے قصص میں صرف روحانی اجزا ہی پیش کرتا تو اس سے ترک دنیا تلقین اور رہبانیت کی تائید ہوتی' اور اس طرح قرآن مجید میں تعارض لازم آتا کہ اپنی عمومی تعلیمات میں تو دین دنیا کی یکجائی کا قائل ہے مگر قصص میں دنیوی امور کو نظر انداز کر کے اس سے گریز کی ترغیب دی جارہی ہے۔اگر ہم غور کریں تو قصص سے متعدد قسم کی دنیوی تعلیمات واصول مستنبط ہوتے ہیں: ا۔عمرانیات کسی قوم اور معاشرے کی پہلی ضرورت امن وامان کا قیام اور لوٹ مار کا خاتمہ ہے۔اس مقصد کے لئے ذو القرنین کا قصہ رہنما ہے کہ یاجوج وماجوج کے فساد سے بچانے کے لئے دیوار تعمیر کی۔ ۲۔حصول رزق: بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی اور رزق کی فراہمی کا مطالبہ کیا۔پھر آپ کی دعا کی بدولت خدا تعالیٰ نے بنیادی ضروریات کی یہ چیزیں انھیں وادی تیہ میں عطا کیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط سے بچاؤ کے لئے موثر اور ٹھوس تدابیر اختیار کیں جس سے فراہمی رزق کی اہمیت کے ساتھ' اعلیٰ حکمران کے اوصاف بھی واضح ہوئے۔اس سے قبل ان دونوں ضرورتوں کی اہمیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں نظر آتی ہے۔جب آپ خدا کے حضور التجا کرتے ہیں: رَبِّ اجعَل هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارزُق اَهلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا اور اس کے مکینوں کو پھل عطا فرما۔

۳۔ موجودہ دور میں خواتین کی معاشرتی حیثیت اور ان کے حقوق کا بہت چرچا ہے۔ قرآن مجید نے اپنے قصص میں مختلف مقامات پر خواتین کا ذکر خصوصی طور پر کیا۔عورت کے متعلق دنیا میں رائج غلط نظریات کا خاتمہ کیا۔مثلاً حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے قصے میں بتلایا کہ شجر ممنوعہ کھانے کا الزام صرف حوا پر نہیں بلکہ اس بھول چوک میں دونوں یکساں طور پر شامل ہیں جب

کہ تورات اس معاملے میں حضرت حوا کو بنیادی طور پر قصوروار ٹھیراتی ہے۔

۴۔ حضرت مریم علیہما السلام کے قصے میں ان کی پاک دامنی وعفت کا بیان ہے تاکہ مخالفین کے بہتان کی تردید ہو۔ پھر ان کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد سے آپ کی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے کہ پیغمبروں کی طرف آنے والا فرشتہ ایک خاتون یعنی حضرت مریم کی طرف بھی آیا ہے۔ فرعون نہایت ظالم وجابر حکمران تھا۔ قرآن نے متعدد مقامات پر اس کی سرکشی کا ذکر کیا۔ جب کے اس کی بیوی ایک صالحہ عورت تھی۔ قرآن نے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا کیونکہ کفر کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں اس کے ایمان کی شمع روشن تھی۔ حضرت ابراہیم کی بیوی اور حضرت موسیٰ کی والدہ کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے جو کہ ان کے لئے اعزاز ہے۔ خطا کار عورتوں میں سے اس عورت کا ذکر بلا نام ہے جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی کوشش کی۔ سورہ تحریم میں حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی کافرہ بیویوں کا ذکر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے اپنے گھر سے اٹھنے والی ہدایت کی کرنیں' اگر اس جہاں میں ان کے قلوب کو روشن نہ کر سکیں تو دنیا میں اور روز قیامت' پیغمبر کا رشتہ ان کے کچھ کام نہ آئے گا

۵۔ سورہ یوسف میں چار خوابوں کا بیان ہے یہ چاروں خواب سچ ثابت ہوئے۔ ایک خواب حضرت یوسف کا تھا اور تین خواب مصریوں کے تھے۔ ان سے معلوم ہوا کہ کافر کا خواب بھی سچا ہو سکتا ہے اور وہ بھی مستقبل کی خبریں معلوم کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں فرشتے آئے' آپ کے لئے بھونا ہوا بچھڑا لائے۔ اس سے مہمان نوازی کے آداب واضح ہوتے ہیں۔

۶۔ جو لوگ بے کس اور مجبور ہوں۔ وہ اصحاب کہف کی طرح اپنی ایمانی دولت کے تحفظ کے لئے کوہساروں میں خلوت نشینی کر لیں اور جو لوگ اقتدار کی نعمت سے بہرہ مند ہوں' وہ اپنے بھائیوں کی غلطیوں سے درگزر کرتے ہوئے انھیں معاف کر دیں۔ یہ چند مشمولات بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ قرآنی قصص عظیم المرتبت شخصیتوں کے عظیم القدر کارنامے ہیں۔ گو ان

واقعات پر صدیاں بلکہ ہزاریاں بیت چکی ہیں مگر آج بھی وہ نوع انسانی کے لئے سرمایہ حیات اور زندگی کی پُر پیچ راہوں میں روشن چراغ ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ لسان العرب، بذیل مادہ ق ص

۲۔ ھود۱۱:۴۹

۳۔ روح المعانی۱:۲۲۵

۴۔ تاریخ ادب عربی، ۷۸

۵۔ ایضاً، ۱۴۷

۶۔ ابن ہشام۱:۴

۷۔ تاریخ ادب اللغة العربية، ۲:۳۳۷

۸۔ احقاف۴۶:۱۷

۹۔ ابن ہشام:۳۰۰

۱۰۔ تاریخ ادب عربی، ۵۱۴

۱۱۔ ایضاً ۱۷۵

۱۲۔ ھود۱۱:۴۔۹۸

۱۳۔ انبیا۲۱:۲۱۔۹۰

۱۴۔ یوسف۱۲:۱۰۰

۱۵۔ مریم۱۹:۲۸

۱۶۔ النمل۲۷:۴۸

۱۷۔ العنکبوت ۲۹:۱۴

۱۸۔ البقرہ۲:۲۶۹

۱۹۔ تفہیم القرآن' زیر آیت سورہ یوسف۱۲:۱۰۰
۲۰۔ روح المعانی' ذیل آیت سورہ مریم۱۹
۲۱۔ ھود۱۱:۸۱
۲۲۔ ایضاً' ذیل سورہ یونس۹۱
۲۳۔ تفہیم القرآن' ذیل سورہ ہود۴۶
۲۴۔ یوسف۱۲:۷
۲۵۔ معارف القرآن' ذیل آیت بالا
۲۶۔ المائدہ ۵:۸۹
۲۷۔ احکام القرآن للجصاص' ذیل بسم اللہ
۲۸۔ تفسیر کبیر' البقرہ۲:۲۴۷
۲۹۔ روح المعانی' البقرہ۲:۲۵۱
۳۰۔ سواطع القرآن۴۲۷
۳۱۔ القمر۵۴:۵۱
۳۲۔ الصفت ۳۷:۱۳۷۔۱۳۸
۳۳۔ روح المعانی' المائدہ۵:۳۱
۳۴۔ النمل:۱۸۔۱۲
۳۵۔ الفجر۸۹:۸
۳۶۔ البقرہ۲:۳۹
۳۷۔ تفہیم القرآن' مقدمہ سورہ یوسف
۳۸۔ ھود۱۱:۵۳
۳۹۔ الاعراف۷:۱۰۶

۴۰۔ تفسیر کبیر' زیر آیت سورہ طٰہٰ ۲۰:۹۹
۴۱۔ بنی اسرائیل ۱۷:۹۲
۴۲۔ تفہیم القرآن' مقدمہ سورہ یوسف
۴۳۔ البقرہ ۲:۲۵۲
۴۴۔ روح المعانی' زیر آیت سورہ الفجر ۸۹:۱۸
۴۵۔ یوسف ۱۲:۱۱۰
۴۶۔ الاحقاف ۴۶:۳۵
۴۷۔ تفہیم القرآن' الشعرا ۲۶:۱۵
۴۸۔ ص ۳۸:۴۴
۴۹۔ البقرہ ۲:۲۴۵
۵۰۔ تفسیر ابن کثیر' زیر آیت بنیاسرائیل ۷۰
۵۱۔ البقرہ ۲:۲۹
۵۲۔ سبا ۳۴:۱۲
۵۳۔ النمل ۲۷:۱۷
۵۴۔ النمل ۲۷:۴۰
۵۵۔ تفسیر ابن جریر ۱۲:۱۵۰
۵۶۔ تفسیر ابن کثیر' سورہ یوسف آیت ۱
۵۷۔ روح المعانی' ذیل سورہ یوسف آیت ۱
۵۸۔ البقرہ ۲:۱۲۶
۵۹۔ تفہیم القرآن' سورہ تحریم کا مقدمہ